

کیا رمضان ہمارے سر کے اوپر سے گزر گیا؟

مفتی منیب الرحمن

رمضان مبارک عظیم المرتبت مہینہ ہے، اس کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث مبارکہ میں بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (۱) ”روزہ ڈھال ہے، سو جب تم میں سے کوئی روزے دار ہو تو نہ وہ کوئی بیہودہ بات کرے اور نہ ہی چیخے اور چلائے، اگر (زبردستی) کوئی اُس سے گالی گلوچ پہاڑ آئے، تو (عاجزی کے ساتھ) کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں، (بخاری: 1904)۔“ (۲) ”جب ماہ رمضان کی پہلی شب آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں چھوڑا جاتا اور جنت کے (سارے) دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رکھا جاتا اور ایک (غیبی) ندا دینے والا پکارتا ہے: اے نیکی کے طلب گار! آگے بڑھ اور اے بدی کے طلب گار! رُک جا اور اس ماہ مبارک کی ہر رات اللہ تعالیٰ بڑی تعداد میں گناہ گاروں کی عذاب جہنم سے رہائی مقدر فرماتا ہے اور یہ ندا ہر شب رمضان کو آتی ہے، (ترمذی: 683)۔“ (۳) ”تمہارے پاس رمضان آچکا، جو مبارک مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کیے ہیں، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کی گردنوں میں طوق پہنا دیا جاتا ہے، اس میں ایک رات (کی عبادت) ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ آئے)، سو جو اس میں خیر پانے سے محروم رہا، تو پھر وہ محروم ہی رہے گا، (سنن نسائی: 2106)۔“ (۴) ”روزہ (عذاب جہنم سے بچاؤ کے لیے) ڈھال ہے، بشرطیکہ اسے پھاڑ نہ دیا جائے، سائل نے پوچھا: اس ڈھال میں شکاف کیسے پڑ جاتا ہے؟، ابو محمد نے جواب دیا: غیبت سے، (سنن دارمی: 1773)۔“

ان احادیث مبارکہ میں آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ غیبی انتظام ہوتا ہے کہ شیاطین اور سرکش جنات کو جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کے بندوں کو گمراہ نہ کریں، نیکی پر چلنے اور ثواب کمانے کے لیے فضا اور ماحول کو سازگار بنا دیا جاتا ہے تاکہ نیک چلتی میں کوئی خارجی رکاوٹ نہ رہے۔ اگرچہ سال کے باقی مہینوں کے مقابلے میں مساجد زیادہ آباد ہوتی ہیں، لوگوں میں عبادت کا ذوق و شوق بڑھ جاتا ہے، بہت سے لوگ اپنی توفیق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال بھی خرچ کرتے ہیں، لیکن بہت سی خرابیاں ہمارے معاشرے میں بدستور جاری رہتی ہیں، مثلاً: مہنگائی، ناجائز منافع خوری، جھوٹ، غیبت، بہتان تراشی، عیب جوئی، تمسخر اور طعن و تشنیع وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں بے اعتدالی کا سلسلہ بھی حسب معمول جاری و ساری رہتا ہے۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رمضان مبارک ہمارے سر کے اوپر سے گزر

جاتا ہے اور یہ ہمارے اندر داخل نہیں ہو پاتا، ہمارے دل و دماغ اور روح میں جذب نہیں ہوتا، اس لیے جو تہدیلی رب ذوالجلال کو اپنے بندوں میں اس ماہ مبارک کی برکت سے مطلوب ہے، وہ نظر نہیں آتی اور جو نبی ہلالِ عید طلوع ہوتا ہے، پہلے سے زیادہ آوارگی اور اخلاقی بے راہ روی کے مناظر نظر آتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کو رمضان میں پانچ ایسی خصلتیں عطا کی گئی ہیں، جو اس سے پہلے کسی امت کو عطا نہیں کی گئیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”رمضان مبارک کی آخری شب کو اللہ تعالیٰ میری امت کو بخش دیتا ہے، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا (بخشش کی یہ رات) لیلة القدر ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن محنت کرنے والا جب پوری محنت کر لے تو وہ پوری اجرت کا حق دار ہو جاتا ہے، (مسند احمد: 7917)۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان مبارک کے عبادت گزاروں کو مہینے کے اختتام پر اجر سے نوازتا ہے اور اسی لیے عید الفطر کی شب کو ”لیلة الجائزۃ“، یعنی اجر و ثواب اور انعام کی رات کہا گیا ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو بخشش کے لیے اور مہینے بھر کی عبادات کے لیے اجر کی امید پر اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع کرتے ہیں۔

سو عقل عام کا سوال ہے کہ رمضان ہمارے سروں کے اوپر سے کیوں گزر جاتا ہے؟، ہمارے دل و دماغ، رگ و پے اور روح میں جذب کیوں نہیں ہوتا؟، کیونکہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو ہمارا طرز زندگی اور انداز بدل جاتا، ہم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے بن جاتے، ہمارے دلوں میں خوفِ خدا پیدا ہوتا جو ہمیں اُس کی نافرمانی سے بچائے رکھتا، اسی کو تقویٰ، کردار کی پاکیزگی اور پرہیزگاری کہتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟۔ ہماری رائے میں اس کا سبب یہ ہے کہ گناہ کے بیرونی محرکات (Incentives) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بند کر دیے جاتے ہیں یا کم کر دیے جاتے ہیں، لیکن اگر ہم نے پہلے ہی شیطان کو اپنے دل میں بسا رکھا ہے اور اپنی خواہشات کو اُس کے تابع بنا رکھا ہے، تو اندر کا چور تو کام کرتا رہے گا، تاوقتیکہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کر کے شیطان اور اس کی ترغیبات کو اپنے دل سے نکال دیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی متعدی بیماری یا وائرس پھیل جائے تو حکومت اس پرے کر کے اس وائرس یا بیکٹیریا کو ختم کرتی ہے تاکہ لوگ اس بیماری کی زد میں نہ آئیں۔ لیکن اگر یہ وائرس یا بیکٹیریا کسی کے وجود میں داخل ہو چکا ہے تو وہ اندر سے نقصان پہنچاتا رہے گا، اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم اینٹی بائیوٹک (یعنی ایسی ادویہ جو ضرر رساں حیات کے لیے مائع ہوں) اور اینٹی سپٹک (یعنی دافع عفونت) ادویہ استعمال کریں۔ اسی طرح اگر ہمارے لباس پر داغ و دھبے پڑ جائیں تو ڈرائی کلین کرتے ہیں، طرح طرح کے کیمیکل استعمال کرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل و دماغ، روح اور باطن کی صفائی کے لیے بھی ایسے ہی روحانی انتظامات فرما رکھے ہیں اور وہ ہے توبہ کرنا۔ توبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرے، اُن پر نادم و شرمسار ہو، اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے اُن کی معافی مانگے، اگر شریعت میں ان کی تلافی کی کوئی صورت مقرر ہے، تو اُس کے مطابق اُن کی تلافی کرے، جیسے جو نمازیں اور روزے چھوٹ گئے ہیں، ان کی قضا کرنا، جو زکوٰۃ اور مالی واجبات ادا نہیں کیے، انہیں ادا کرنا، اگر بندوں کی حق تلفی کی ہے تو ان کا ازالہ کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے بیان و قبا باندھنا کہ آئندہ اس کی نافرمانی نہیں کریں

گے اور اُس سے توفیق طلب کرنا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ کیے ہوئے اس پیمان و فاپر آنے والی زندگی میں قائم و دائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ جیسے اس سے گناہ سرزد ہوا ہی نہیں، (ابن ماجہ: 4250)۔“ گچی توبہ کے بعد اگر انسان اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بن جائے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں الفاظ کے فرق کے ساتھ ایک حدیث ہے، جس کا مفہوم یہ ہے:

”رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے، جس کے نتیجے میں، میں سخت سزا کا مستحق ہوں، سو آپ مجھ پر اللہ کی حد قائم فرما دیجئے۔ اُس نے عرض کی: میں نے ایک اجنبی عورت سے بوس و کنار کیا ہے اور مباشرت کے علاوہ ہر حد سے گزر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا: اللہ نے تمہارے عیب پر پردہ ڈال رکھا تھا، تم بھی اپنے عیب کو پردے میں رکھتے تو بہتر ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اقامت ہوئی، آپ ﷺ کی اقتدا میں جماعت ادا کی گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ اجنبی سائل کہاں ہے؟، وہ شخص کھڑا ہوا اور ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: ”دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصے میں نماز ادا کرتے رہو، بے شک نیکیاں گناہوں (کے اثر) کو مٹاؤں گی“ (ہود: 114)۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ نمازوں اور نیکیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ اُس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا یہ رعایت یا بشارت صرف میرے لیے ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری تمام امت کے لیے ہے، (بخاری: 526، مسلم: 2763، سنن ترمذی: 3112، سنن ابوداؤد: 4468، مسند احمد، ج: 1، ص: 445)۔“ نوٹ: ہم نے یہ روایت بالمعنی بیان کی ہے، کیونکہ کتب احادیث میں الفاظ کا تھوڑا بہت تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”(میرے محبوب بندے) وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور قتل ناحق نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جو لوگ ان معصیتوں کا ارتکاب کریں تو قیامت کے دن ان کا عذاب دو گنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے (سچے دل سے) توبہ کی اور ایمان لائے اور (اس کے بعد) نیکی پر قائم رہے، سو (یہ) وہ (خوش نصیب) لوگ ہیں، جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے اور جس نے توبہ کی اور اس کے بعد نیک کام کرتے رہے، تو درحقیقت یہی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور صحیح توبہ کرنے والا ہے، (الفرقان: 71-68)۔“

روایات میں ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھی نازل فرمائیں اور معراج النبی ﷺ کے موقع پر آپ کو براہ راست بھی وحی فرمائیں۔ خاص طور پر آخری آیت میں اہل ایمان کے لیے بڑی بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندے کو اپنی ذات سے مانگنے کی ترغیب فرمائی اور اس دعا کا مضمون بھی خود ہی عطا فرمادیا۔ اس میں بندے کی عاجزی اور بے بسی کا بھی اظہار ہے اور زندگی میں ناقابل برداشت احکام یا حالات سے بچائے رکھنے کی استدعا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ بعید ہے کہ وہ خود بندے کو ایک خاص انداز میں اپنی ذات سے مانگنے کی ترغیب دے اور بندے کے صدق دل سے مانگنے پر قبول نہ فرمائے، یقیناً اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔